ٹرمنالوجی کو دیکھیں تو دینیات اور درسیات کے الگ الگ حصے ہوتے تھے۔ جس طرح آج کل عصری تعلیم کے بارے میں یہ ہے کہ یہ تدین کے حوالے سے برے اثرات پیدا کرے گی، بعینہ یہی تحفظات پہلے بزرگوں کے ملفوظات میں درسیات، مثلاً منطق وفلسفہ کے متعلق ملتے ہیں، کیونکہ یہ اس دور کے عصری علوم تھے۔ مثلاً حضرت مولانا خیر محمد صاحب کے بارے میں حضرت والد صاحب سے سنا کہ ان کا ذوق یہ تھا کہ مشکوٰۃ اور دورہ حدیث سے پہلے جو درسیات پڑھنی ہیں، شمس بازغہ اور ملا صدرا وغیرہ، پڑھ لو، تاکہ اس کے اوپر جو تہہ لگے، وہ علم حدیث کی لگے اور جو برے اثرات ہو سکتے ہیں، ان کا حدیث کے ذریعے سے ازالہ ہو جائے۔ وہ تحفظات وہاں بھی تھے جو آج عصری علوم میں ہیں، لیکن ان چیزوں کو نظام کا حصہ بنایا گیا۔ جو چیزیں ہم لے کر چل رہے ہیں، ان میں جو غیر ضروری چیزیں ہوں، ان میں کمی کر کے ان کی جگہ پر ضروری چیزوں کو شامل کر لیں۔ بہر حال ہم عملی طور پر دو الگ الگ نظام ہائے تعلیم کی پیوندکاری کر رہے ہوتے ہیں، بلکہ ہم کیا کر رہے ہوتے ہیں، طالب علم اپنے طور پر کر رہا ہوتا ہے جس سے وہ ایک عجیب سا ملغوبہ سا بن جاتا ہے۔ اگر مدارس ازخود اس پر جامع مشاورت کر کے ایک جامع نظام بنالیں تو اس سے طلباء کے لیے آسانی بھی ہو جائے گی اور نتائج بھی بہتر سامنے آنے کی توقع ہے۔

اس مشاورت کا دوسرا پہلو سرکاری سطح پر ہے، کیونکہ بہت سارے مقاصد اس چیز پر منحصر ہیں کہ جو سند بھی ہمارے بچے کے پاس ہے، وہ سرکاری طور پر تسلیم شدہ ہو۔ مدارس کی اسناد کا اعتراف کیسے کرنا ہے؟ کن بنیادوں پر کرنا ہے؟ اس کے لیے فی الحال میری ناقص معلومات کے مطابق کوئی قانون موجود نہیں ہے، چند ایک نوٹیفکیشنز ہیں اور بس۔ ایک جامع قانون سازی کی ضرورت ہے اور اس قانون سازی کے پیچھے جتنے بھی اسٹیک ہولڈرز ہیں، وفاق ہوں، مدارس ہوں، مدارس کے فضلاء ہوں، جہاں ان فضلاء نے کھپنا ہوتا ہے، وہ لوگ ہوں، جہاں ان فضلاء نے داخلہ لینا ہوتا ہے، وہ ادارے ہوں یا سوسائٹی کے سرکردہ لوگ ہوں، پہلے تو اس پر وسیع مباحثہ ہونا چاہیے اور اس کے بعد ضرورت کے مطابق ایک جامع قانون سازی کی جانی چاہیے۔ خاص طور پر دو بڑے اہم مسئلے آئندہ آ رہے ہیں اور وہ ہمارے لیے مسائل پیدا کریں گے۔ ایک تو یہ کہ اب تک گریجویشن دو سالہ ہے، دو سال میں بی اے ہو جاتی ہے، لیکن ممکن ہے کہ پوری دنیا کے ٹرینڈ کے مطابق چار سالہ گریجویشن ہو جائے۔ اس سے یہ اپنے طور پر چلنے والا سلسلہ نبھانا بہت مشکل ہو جائے گا۔ اس کے لیے ایک پورے سسٹم کی اور وسیع اور گہرے غور وخوض کی ضرورت ہے۔ دوسرا مسئلہ یہ کہ یونیورسٹی لیول کی تعلیم میں پرائیویٹ تعلیم کا تصور اگر ختم ہو گیا تو بھی مسائل پیدا ہوں گے۔ آنے والے وقت میں ہمارا جنرل تعلیمی رجحان اور دنیا کا رجحان کس طرف جا رہا ہوگا، ہماری ملک کی عمومی تعلیم کدھر جا رہی ہوگی، اس کا صحیح اندازہ لگا کر بروقت سوچنا ہماری ذمہ داری ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمارے اس بیٹھنے کی برکت سے مزید راہیں کھولیں۔ امین

حالات وواقعات

ابوعمار زاہد الراشدی

موجودہ دور میں مسلمانوں اور غیر مسلموں کے باہمی تعلقات

۲۴ جنوری ۲۰۱۸ء کو مجلس صوت الاسلام کلفٹن کراچی میں علماء کرام کی ایک نشست سے خطاب کا خلاصہ

بعد الحمد والصلوٰۃ۔ آج ہماری گفتگو کا عنوان ہے کہ ایک مسلمان ریاست میں غیر مسلموں کے کیا حقوق ومسائل ہیں اور کسی غیر مسلم ریاست میں رہنے والے مسلمانوں کے معاملات کی نوعیت کیا ہے؟ ہمارے ہاں جب پاکستان، بنگلہ دیش، بھارت اور برما سمیت یہ خطہ، جو برصغیر کہلاتا ہے، متحد تھا اور مسلمانوں کی حکمرانی تھی تو اس کی شرعی حیثیت کے بارے میں فقہی بحث ومباحثہ اس قسم کے عنوانات سے ہوتا تھا کہ یہاں رہنے والے ذمی ہیں یا معاہد ہیں، اور یہاں کی زمینیں عشری ہیں یا خراجی ہیں۔ اس علاقہ میں اسلام مجاہدین کی جنگوں کے ذریعے بھی آیا ہے، صوفیاء کرام کی دعوت و اصلاح کی محنت سے بھی آیا ہے اور تاجروں کی آمدورفت بھی فروغِ اسلام کا ذریعہ بنی ہے۔ ظاہر بات ہے کہ جہاد کے ذریعے مغلوب ہونے والے لوگوں اور علاقوں کی حیثیت از خود مسلمان ہوجانے والے لوگوں اور علاقوں سے مختلف ہوتی ہے۔ اس لیے اس حوالہ سے یہاں ہمارے فقہی مباحث کا ایک وسیع دائرہ ماضی کے علمی ذخیرہ میں ملتا ہے۔

جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دس سالہ مدنی دور میں ہمیں اس سلسلہ میں مختلف صورتیں دکھائی دیتی ہیں:

ریاست مدینہ جنگ اور غلبہ کے ذریعے قائم نہیں ہوئی تھی بلکہ قبائل کے ساتھ مسلسل گفتگو اور مذاکرات کے ذریعہ وجود میں آئی تھی جس میں یہودی اور دیگر غیر مسلم قبائل بھی شامل تھے اور ''میثاقِ مدینہ'' ایک باہمی معاہدہ کی صورت میں اس ریاست کے دستور کی حیثیت رکھتا تھا۔

خیبر اور بہت سے دیگر علاقے جنگ اور جہاد کے ذریعے اس ریاست میں شامل ہوئے تھے۔

یمن کے بیشتر قبائل خود مسلمان ہوئے تھے جس کے نتیجے میں یمن ریاست مدینہ کا حصہ بن گیا تھا۔

نجران کے عیسائی ایک معاہدہ کے تحت ریاست مدینہ کا حصہ بنے تھے۔

چنانچہ دورِ نبوی کی انہی مثالوں کو سامنے رکھتے ہوئے ایک مسلمان ریاست کا حصہ بننے والے خطوں اور وہاں کے لوگوں کے بارے میں فقہاء کرام نے الگ الگ فقہی ابواب واحکام مرتب فرمائے اور متحدہ ہندوستان پر مسلمانوں کے اقتدار کے دور میں بھی بحث ومباحثہ کا یہ تنوع موجود رہا جس کی ایک مثال یہاں کی زمین کے عشری یا خراجی ہونے کی